رشید احمد (جالندھری)

جنوبی ایشیا اور امن؟

[کراچی میں ۲۴ سے ۲۶ رنومبر ۲۰۰۰ء تک 'قلم برائے امن' کے موضوع پر اہل دانش نے ایک قومی کانفرنس کا اہتمام کیا، جس میں پورے ملک کے دانشمندوں، ادیبوں اور اہل درد نے حصہ لیا۔ جناب راحت سعید اور ان کے ترقی پسند ساتھیوں نے اس کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لیے بنیادی کردار ادا کیا۔ ۲۶ رنومبر کے ایک اجلاس میں خاکسار نے بھی قیامِ امن کے لیے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔]

تاریخ نے ہمیں بتایا ہے کہ ایشیاء نے انسانی تہذیب کو آگے بڑھانے میں ایک تاریخی کردار ادا کیا ہے۔ اس کی مقدس سرزمین دنیا کے چار بڑے مذاہب یعنی ہندومت، بدھ مت، مسیحیت اور اسلام کا گہوارہ ہے۔ یہی چار مذہب آج دنیا کے کروڑوں انسانوں کی عقیدت کا مرکز ہیں۔ ان مذاہب کی بلند قدروں (Higher values) میں بڑی حد تک یگانگت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ مثلاً جنگ کی بجائے امن و آتشی، تنگ نظری اور تعصب کی جگہ رواداری اور جبر و اکراہ کی بجائے اظہارِ رائے کی آزادی۔ چنانچہ اگر یہ کہا جائے کہ انسان دوستی ان سب مذاہب کا مشترکہ اثاثہ ہے تو شاید یہ مبالغہ نہ ہوگا۔ قرآن نے خدا سرشاری اور انسانی خدمت کے لیے لفظ 'تقویٰ' بولا ہے۔ (ق،۲: ۱۷۷)

ٹیگور نے لکھا ہے کہ جب مہاتما بدھ نے نجات کی تلاش میں اپنا گھر چھوڑا اور اپنے سوئے ہوئے بیوی بچوں پر آخری نگاہ ڈالی اور باہر نکل گئے۔ تو ہاتفِ غیبی نے آواز دی کہ تم میری (خدا) تلاش میں مجھے ہی اپنے پیچھے چھوڑے جا رہے ہو۔

حدیثِ پاک کی ایک معروف کتاب صحیح مسلم کی ایک حدیثِ قدسی میں آیا ہے کہ

قیامت کے دن خدا انسان سے کہے گا، اے ابنِ آدم! میں بیمار ہو گیا، تو نے میری بیمار پرسی نہیں کی۔ بندہ تعجب سے کہے گا کہ بھلا ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ تُو تو رب العالمین ہے؟ خدا فرمائے گا کہ کیا تجھے معلوم نہیں، میرا فلاں بندہ تیرے قریب بیمار ہو گیا تھا اور تو نے اس کی خبر نہیں لی تھی۔ اگر تو اس کی بیمار پرسی کے لیے جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اسی طرح خدا فرمائے گا کہ اے ابنِ آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا، مگر تو نے نہیں کھلایا۔ بندہ عرض کرے گا کہ بھلا ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ تجھے کسی بات کی احتیاج ہو؟ خدا فرمائے گا کیا تجھے یاد نہیں کہ میرے فلاں بھوکے بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے انکار کر دیا تھا۔ اگر تو اسے کھلاتا تو تُو مجھے اس کے پاس پاتا۔ الغرض قرآن اور اسلامی روایات نے واضح طور پر کہا ہے کہ ''جو خدا سے محبت کرنا چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ اس کے بندوں سے محبت کرے۔''

شیخ سعدی نے سچ کہا تھا:

عبادت بہ جز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادۃ و دلق نیست[1]

وقت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ آج اسی ایشیا، خاص طور پر جنوبی ایشیا میں مذاہب اور ان کی اعلیٰ قدریں اپنے ہی وطن میں غریب الوطن ہیں اور ان مذاہب کے ماننے والے اپنے باہمی اختلافات کو صبر و تحمل، رواداری اور پرامن طریق سے حل کرنے میں ناکام ہو کر، نفرت، تشدد اور انتقام کی راہ پر چل نکلے ہیں۔ اس طرزِ عمل نے جنوبی ایشیا کے کروڑوں انسانوں کو دکھوں کے سوا کچھ نہیں دیا۔ طرفہ تماشہ یہ ہے کہ تشدد، نفرت اور خون ریزی کے اس کھیل میں مذہب کا مقدس نام بھی لیا جا رہا ہے!!　　　بدیں عقل و دانش بباید گریست

بے شبہ جنوبی ایشیا میں اہلِ دانش اور سیاسی مدبرین جنگ کی بجائے امن کو زندگی کی اعلیٰ قدر تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے شاید ہی کسی کو اختلاف ہو کہ امن! کے

---

[1] ترجمان القرآن، ج ۱ میں 'اسلامی عقائد کا دینی تصور اور رحمت' کے عنوان پر ابوالکلام آزاد نے نہایت ہی موثر انداز میں خدا اور بندوں کے رشتۂ محبت و عبودیت پر لکھا ہے۔

زبانی ورد سے امن کبھی قائم نہیں ہوتا۔ ایک معاشرے میں قیامِ امن کے لیے ضروری ہے کہ سوسائٹی میں عدل و انصاف اور قانون کی عملاً بالادستی ہو۔ اگر ریاست کے تمام شہری، خواہ ان کا تعلق کسی بھی زبان، نسل اور مذہب سے ہو، قانون کی نگاہ میں برابر نہیں ہیں اور عملی زندگی میں ان سے امتیازی سلوک برتا جارہا ہے تو پھر ایسی سوسائٹی میں امن! امن! کی باتیں یقیناً بے معنی ہیں۔ قیامِ امن کا بنیادی تقاضہ ہے کہ سوسائٹی میں سیاسی اور معاشی عدل و انصاف پایا جاتا ہو، تاکہ ایک گروہ دوسرے گروہ کا استحصال نہ کر سکے۔ جہاں تک دو ملکوں کے درمیان قیامِ امن کا سوال ہے، وہاں بھی اس امر سے مفر نہیں کہ دونوں ملک ایک دوسرے کے داخلی معاملات میں دخل اندازی نہ کریں اور سوسائٹی کے امن و سکون کو تباہ کرنے کے لیے دونوں ملک دہشت گردی کی کاروائیوں سے یک قلم اجتناب کریں۔ ایسی کاروائیاں مذہبی اور اخلاقی اصولوں کی نفی ہیں۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی اخلاقی اور سیاسی جرم ہوسکتا ہے کہ کراچی یا دہلی کے پرامن شہریوں کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جنوبی ایشیا کے ملکوں کی صحافت اور میڈیا ایک دوسرے کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا نہ کریں۔ چنانچہ نہ صرف جنوبی ایشیا کی اخلاقی اور روحانی روایات کا تقاضا ہے، بلکہ موجودہ حالات کا بھی مطالبہ ہے کہ پاک و ہند ماضی کی تلخیوں کو بھلا کر اپنے اختلافی مسائل کو پرامن طریق سے حل کرنے کے لیے بات چیت کریں اور اس راہ میں آنے والی مشکلات پر صبر و تحمل، سعیٔ پیہم اور عزم مصمم سے قابو پائیں۔ قیامِ امن کے ذکر میں یہاں مسئلہ کشمیر کی طرف اِشارہ کرنا ناگزیر ہے، کیوں کہ یہی مسئلہ ہے، جس کی وجہ سے دونوں ملکوں میں دو خون ریز جنگیں ہو چکی ہیں۔ مسئلہ کشمیر دراصل دونوں ملکوں کے سیاسی مدبرین کے لیے ایک چیلنج ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا وادیٔ کشمیر میں بسنے والے انسانوں کو اپنی مرضی کے مطابق زندہ رہنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ اہلِ کشمیر کے اس بنیادی حق کو اقوامِ متحدہ کے سامنے برصغیر نے بھی تسلیم کیا ہے۔ پاک و ہند کی پچاس سالہ تاریخ نے بتایا ہے کہ ہمارے مسائل کا حل جنگ نہیں، باہمی مذاکرات ہیں، بشرطیکہ امن و آشتی پر ہمارا اعتقاد ہو۔

ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ دونوں ملکوں کے کروڑوں عوام اختلافات کی بھاری قیمت ادا کرنے کے باوجود یہ دلی تمنا رکھتے ہیں کہ برصغیر کے افق پر امن و آشتی کی صبح مسکرائے۔ آخر کب تک وہ موت کے سایہ میں زندگی بسر کرتے رہیں گے۔ ان کی اسی تمنا نے 'سارک' کے وجود میں اپنا ظہور پایا تھا۔ ۱۹-۲۰ مئی ۱۹۹۴ء کو کھٹمنڈو میں سارک کے ایک غیر رسمی اجلاس میں اُس خطے میں باہمی تعاون کے لیے جنوبی ایشیا کے کردار پر بات چیت بھی ہوئی تھی۔ فروری ۱۹۹۵ء میں دونوں ملکوں کے دانشوروں نے دہلی کانفرنس میں اپنے ایک مشترکہ بیان میں کہا تھا: 'دونوں ملکوں کا فرض ہے کہ وہ ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری سے باز رہیں، اور عالمی سطح پر ان ہتھیاروں پر پابندی لگانے کے لیے جو کام ہو رہا ہے، اس سے تعاون کریں۔'

چنانچہ اگر کشمیر میں عارضی طور پر بھی کسی پارٹی کی طرف سے جنگ بندی کی پیش کش ہوتی ہے تو اسے فوراً قبول کر لینا چاہیے تاکہ انسانی خون ریزی کو روکا جا سکے، خواہ وہ ایک لمحہ ہی کے لیے کیوں نہ ہو۔ کہتے ہیں کہ چودھویں صدی کے معروف سکالر علامہ ابنِ تیمیہ اور ان کے ساتھی جا رہے تھے کہ انہیں وحشی تاتاریوں کا ایک گروہ نظر آیا، جو شراب نوشی کی محفل میں غرقِ مے ناب تھا۔ ابنِ تیمیہ کے ایک ساتھی نے کہا کہ کیا ان تاتاریوں کو شراب نوشی سے روکا جائے؟ ابنِ تیمیہ نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو، جب تک یہ وحشی شراب میں مست رہیں گے، اللہ کے بندے ان کے شر سے محفوظ رہیں گے۔

چنانچہ پاکستان کے سیاسی مدبرین، اہلِ نظر اور دانشوروں کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ اربابِ اقتدار کو بتائیں کہ وقت آ گیا ہے کہ ہم نہ صرف ایٹمی پھیلاؤ کو روکنے کے لیے پہل کر کے بھارت سے بات چیت کریں، بلکہ عالمی سطح پر بھی C.T.B.T پر دستخط کر دیں۔ اسی میں ہمارا بھلا ہے، وقت بتائے گا کہ ہم نے ایسا کر کے کس حد تک روحِ عصر، سارک کے منشور، اپنی (پاک، ہند اور بنگلہ دیش) ہزار سالہ مشترک سیاسی، اجتماعی اور ثقافتی تاریخ اور اسلامی روایات کا ساتھ دیا ہے۔ رسولِ کریم ﷺ نے بیس سال کی عمر میں مکہ میں ان اہلِ دانش کو دیکھا تھا، جنہوں نے مکہ میں ظلم و ستم کو روکنے کے لیے حلف الفضول کے نام سے معاہدہ کیا

تھا۔ اعلانِ نبوت کے بعد آپ فرمایا کرتے: خدا کی قسم! اگر مجھے اب بھی (ظلم وستم اور انسانی خون ریزی روکنے کے لیے) حلف الفضول جیسے معاہدہ کے لیے بلایا جائے، تو مجھے ایسا معاہدہ سرخ اونٹوں سے کہیں زیادہ عزیز ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا سارک کے یہ دو بڑے ممبر بھارت اور پاکستان قیامِ امن کے لیے، اپنی 'سیاسی انا' اور بتانِ وہم وگماں کو توڑ کر سچائی کے سامنے سر جھکانے کے لیے تیار ہیں؟ کیا ہمارے ملک کے نامور دانشور اور اہلِ قلم ایک ٹھوس اور مربوط پروگرام کے تحت قوم کی رہنمائی کریں گے کہ وہ حقائق کو ان کے صحیح تناظر میں دیکھے۔

قرآن مجید نے فرمایا ہے: **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا**۔ ''جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں، ضرور ہم ان پر ادراکِ حق کی نئی نئی راہیں کھول دیتے ہیں۔'' (العنکبوت: ۶۹) بے شبہ اگر دونوں ملک اپنے کروڑوں باسیوں کی دکھی آتما کی شانتی کے لیے ایک نئے عزم، جذبہ اور ولولہ سے بات چیت کا آغاز کریں، تو منزل خود آگے بڑھ کر ان کے قدم لے گی۔

آخر میں، میں دل کی گہرائیوں سے ان بے قرار روحوں کو مبارک باد دیتا ہوں، جو امن کی تلاش میں امن کی آواز پر پورے ملک سے کراچی کانفرنس میں شریک ہیں۔

☆☆☆